علیم صدیقی

اقبال اور براؤننگ

انگلستان کی تاریخ میں ملکہ وکٹوریہ کا عہد کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے ۔ سیاسی شعور ، صنعتی انقلاب ، سماجی بے چینی اور مذہبی تشکیک اس عہد کی نمایاں خصوصیات ہیں ۔ ڈارون کے نظریۂ ارتقا نے معاشرے میں ایک ہلچل مچا دی اور تمام فرسودہ روایات اور عقاید کی دھجیاں اُڑا دیں ۔ اخلاقیات اور مذہبیات کا پرچار کرنے والوں کو ایک عظیم صدمہ پہنچا اور انتشار و غیر یقینی صورت پیدا ہوگئی ۔ ادب میں ٹینی سن اور کارلائل اس سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ۔ کارلائل نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''ماضی اور حال'' میں صنعتی انقلاب کی پُر زور مذمت کی اور اس کو انسانیت اور مزدوروں کے حقوق پر ایک کاری ضرب قرار دیا ۔ ٹینی سن نے اپنی دو نظموں (''In Memoriam'' اور ''Higher Pantheism'') میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ صرف با اخلاق زندگی اور مذہبی پابندی ہی انسان کو صحیح طرز زندگی گزارنے میں مدد دے سکتی ہے ۔ ٹینی سن کو خدا کی قدرت پر اعتمادِ کلی تھا ۔ ایک بند ملاحظہ فرمائیے جس سے اس کے عقیدے کی وضاحت ہو جائے گی :

That God which ever lives and loves,
One God, one law, one element ;
The one far off divine event,
To which the whole creation moves.

اس حقیقت کے باوجود کہ پورے عہد میں ''قنوطیت'' کی لہر دوڑتی ہے ، ہمیں رسکن اور براؤننگ جیسے حضرات ملتے ہیں جنھوں نے اپنے لیے ایک نئی راہ تلاش کی اور پژ مردہ دلوں میں رجائیت اور اُمید کی ایک نئی روح پھونکی ۔ چنانچہ براؤننگ کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے جس میں اس نے اپنے عہد کے ماحول

کے خلاف بغاوت کی اور ہر چیز کو درست قرار دیا :

God is in His Heaven,
All is right with the world.

اب اس کے بعد ہم ہندوستان کی طرف نظر ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی کے بعد پورے ہندوستان میں ایک قسم کی نفرت اپنے برطانوی آقاؤں کے خلاف پھیل رہی تھی۔ سید احمد خان ، مولانا حالی ، مولانا شبلی اور راجہ رام موہن رائے ہندوستانیوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ ان حضرات کا خیال تھا کہ ہندوستانی تہذیب و تمدن کو برطانوی راج سے جو کاری ضرب لگی تھی اس کو پھر سے ایک نئی زندگی دی جائے تاکہ ہندوستانی جو احساسِ کمتری کا شکار ہو رہے تھے پھر سے اپنی تہذیب کو اپنائیں۔ سید احمد خان کے مضامینِ اخلاق اور مولانا حالی کی ''مسدس'' نے ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے پر لانے کی بھرپور کوشش کی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ مولانا حالی کی ''مسدس'' ایک مرثیہ ہے جس میں قنوطیت کا عنصر نمایاں ہے ، لیکن مولانا نے جن ابتر حالات میں اس زبوں حالی کو پیش کیا اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ اس میں ہمدردی اور خلوص کے عناصر بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ سید احمد خان نے مسلمانوں کی تعلیم پر توجہ دی۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان مغربی تعلیم کی طرف توجہ دے کر معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کریں اور اگر ہندوؤں سے برتری حاصل نہ کر سکیں تب بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ تو کر سکیں۔ اکبر الہ آبادی اور دوسرے حضرات نے ان کا خاصا مذاق اُڑایا لیکن سید احمد خان دھن کے پکے تھے۔ انھوں نے کسی کی پروا نہ کی اور علی گڑھ کی درس گاہ قائم کر کے ہی دم لیا۔ سید احمد خان کا مسلمانوں پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ ان کی وجہ سے پوری مسلمان قوم کو وہ عزت اور عظمت حاصل ہوئی جو شاید انھیں میسر نہ ہوتی۔ علامہ اقبال بھی سید احمد خان کے مداحوں میں تھے اور ان کی وفات کے بعد انھوں نے ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ اقبال فلسفی تھے اور ساتھ ساتھ ایک حساس طبیعت کے مالک تھے۔ چنانچہ انھوں نے ۱۹۲۳ سے ۱۹۳۶ تک مسلمانوں کی بہبودی کی خاطر ملکی سیاست میں عملی حصہ لیا ، کیونکہ اُن دنوں محمد علی جناح مسلمانوں کے مفاد کی خاطر تن تنہا لڑ رہے تھے اور جب اقبال ان کی مدد کے لیے آگے بڑھے تو جناح کو ایک بہت

ہی پُرخلوص ساتھی مل گیا اور دونوں نے مل کر اپنی مشترکہ مساعی سے ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کیا ۔ ان تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اقبال نے بھی براؤننگ کی طرح اپنے ماحول کے خلاف بغاوت کی اور اُمید و رجائیت کا درس دیا ۔

اقبال گورنمنٹ کالج لاہور سے فلسفہ میں ایم ۔ اے ۔ کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان روانہ ہوئے اور تین سال یعنی ۱۹۰۵ سے ۱۹۰۸ تک وہیں قیام کیا ۔ اس عرصے میں انھوں نے ڈاکٹر براؤن ، ڈاکٹر نکلسن ، میک ٹیگرٹ اور پروفیسر وارڈ جیسے نامور اساتذہ سے فیض حاصل کیا اور جب وہ وطن واپس آئے تو ان کا دماغ مغرب کے مفکرین کے زریں خیالات سے مالا مال تھا ۔ جس زمانے میں وہ لاہور میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر مامور تھے اُنھیں انگریزی ادب پڑھانے کا بھی موقع ملا اور اس طرح ورڈز ورتھ ، بائرن ، شیکسپیر اور براؤننگ نے اُنھیں خاصا متاثر کیا ۔ انگریزی شعرا کی ذہنی قربت نے ان سے کچھ ترجمے کروائے اور یہ تراجم اُردو کے مشہور رسالہ ''مخزن'' میں شائع ہوئے ۔ ان تراجم کے پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ تراجم نہیں بلکہ ان کا اپنا کلام ہے ، کیونکہ اقبال نے انھیں نہایت ہی خوب صورت انداز میں زبان و بیان کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیش کیا ۔ ان تراجم میں ''پہاڑ اور گلہری'' ، ''بلبل و جگنو'' ، ''ایک آرزو'' اور ''ایک پرندہ کی فریاد'' قابلِ ذکر ہیں ۔ ''پیامِ مشرق'' میں رومی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے انھوں نے براؤننگ کی بھی تعریف کی ہے :

بے پشت بود و بادہ سرجوش زندگی آب از خضر بگیرم و در ساغر افگنم

براؤننگ اور اقبال اوسط گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے ۔ براؤننگ کے والد انگلستان کے بینک میں کلرک تھے ، لیکن قدرت نے انھیں ایک روشن دماغ اور اعلیٰ کردار عطا کیا تھا ۔ براؤننگ کی ماں کو موسیقی سے شوق تھا اور یہی شوق ماں سے بیٹے کو ورثہ میں ملا ۔ اقبال کے والد شیخ نور محمد خیاط تھے ۔ اگرچہ وہ تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن قدرت نے انھیں گہری سوجھ سے نوازا تھا ۔ اقبال کی والدہ بھی ایک نیک خاتون تھیں ۔ اقبال کو اپنی ماں سے پیار تھا جس کا اعتراف انھوں نے والدہ کی وفات پر مرثیہ کی صورت میں پیش کیا ہے ۔ چند اشعار پیشِ خدمت ہیں :

تربیت سے میں تری انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

براؤننگ کے والدین کا تعلق Dissenters سے تھا اور جونہی "Act of Uniformity" کا نفاذ عمل میں آیا براؤننگ اور اس کے اہلِ خاندان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور جملہ سرکاری و نیم سرکاری سکولوں و کالجوں کے دروازے براؤننگ کے لیے بند ہوگئے ، لیکن براؤننگ جیسے باہمت آدمی کے لیے نئی راہیں نکل آئیں اور اس نے نہایت پامردی سے قدیم اور جدید کتب سے خانگی طور پر استفادہ کیا ۔ اس کو مطالعے کا اس قدر شوق تھا کہ ڈاکٹر جانسن کی ڈکشنری کو اس نے ازبر کر لیا تھا ۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا ۔ چنانچہ بارہ سال کی عمر میں اس نے نظمیں لکھنی شروع کی تھیں اور اس کے باپ نے اس کا پہلا مجموعۂ کلام *Incondite* کے نام سے شائع کروایا اور اس طرح اپنے ہونہار بیٹے کی مکمل سرپرستی کی ۔ اقبال تعلیم کے سلسلے میں براؤننگ سے زیادہ خوش نصیب تھے ۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم سکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں حاصل کی جہاں انہیں مولوی میر حسن جیسے جید عالم کی صحبت نصیب ہوئی اور علامہ نے ان کی عربی اور فارسی پر قدرت سے استفادہ حاصل کیا ۔ ابھی وہ بی ۔ اے ۔ کے طالب علم ہی تھے کہ طبع آزمائی شروع کی اور غزل کے مستند استاد حضرت داغ دہلوی سے اصلاح لینی شروع کی ۔ اقبال کو اپنے استاد پر ناز اور داغ کو اپنے شاگرد پر فخر حاصل تھا ۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے فلسفہ میں ایم ۔ اے ۔ کرنے کے بعد اقبال نے جرمنی سے ڈاکٹریٹ حاصل کی جہاں ان کی ذہنی صلاحیتوں کو جِلا ملی اور ان میں اس قدر وسیع النظری پیدا ہوئی کہ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو "خوابِ گراں" سے بیدار کرنے کی کوشش کی ۔

براؤننگ نے ۱۸۴۶ میں Elizabeth Barrett سے شادی کی ۔ الیزبتھ باریٹ ایک شاعرہ تھی ۔ دونوں ایک دوسرے کو بے حد پسند کرتے تھے اور آخرکار ان کی پسند شادی پر منتج ہوئی ۔ الیزبتھ کے باپ کو یہ رشتہ پسند نہ تھا ، لیکن دونوں خاموشی سے گرجا جا کر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے ۔ الیزبتھ کا ایک سانیٹ (Sonnet) پڑھیے اور اس کی بے پایاں محبت کا اندازہ لگائیے :

How do I love thee ? Let me count the ways
I love thee to the depth, breadth and height
My soul can reach when feel ng out of sight
For the end of Being and ideal grace ;
I have thee to the level of every day's
Most quiet need by Sun and candle light
I have thee freely as men strive for right.

براؤننگ نے بھی اپنی نظم "One Word More" میں بیوی سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے :

Take them love the book and me together
Where the heart lies let the brain also lie.

اقبال کی پہلی شادی خاصی ابتدائی عمر میں ہوئی ۔ انھوں نے تین شادیاں کیں ، لیکن ساری عمر انھیں وہ ذہنی سکون نہ مل سکا جس کے وہ متمنی تھے ۔ اس چیز کا اندازہ ہمیں اس خط سے لگتا ہے جو انھوں نے عطیہ بیگم کے نام لکھا ۔ عطیہ بیگم سے اقبال کے مراسم بہت زیادہ گہرے تھے اور ان سے ہر بات کہتے ہوئے کبھی نہیں ہچکچاتے تھے ۔ چنانچہ اپنی مجبوریوں سے تنگ آ کر ان کے قلم سے یہ الفاظ بھی نکل آئے :

"میری زندگی نہایت تلخ ہے ۔ میں بیوی کی کفالت پر ہر وقت آمادہ ہوں لیکن اسے اپنے پاس رکھ کر اپنی زندگی کو عذاب بنانے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں ۔ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے مجھے بھی مسرت کا حق حاصل ہے ۔ اگر معاشرہ یا فطرت میرے حق سے انکار کریں گے تو میں دونوں کے خلاف بغاوت کروں گا ۔"

تیسری شادی سے وہ قدرے مطمئن تھے ، لیکن پھر بھی اقبال کو وہ ازدواجی خوشیاں میسر نہ آ سکیں جن کے لیے وہ ہمیشہ سرگرداں رہے ۔

اقبال اور براؤننگ کی شاعری میں محبت کی عظمت اور رفعت پائی جاتی ہے ۔ براؤننگ کے نظریۂ عشق و محبت کی بنیاد اس کے فلسفۂ زندگی پر ہے ۔ براؤننگ کی عشقیہ شاعری حقیقت سے زیادہ قریب ہے ۔ اس کے ہاں عاشق و معشوق تصوری نہیں بلکہ جیتے جاگتے ، جذباتی ، زندہ دل اور جسمانی کشش کے حامل ہیں ۔ براؤننگ کے ہاں کامیاب و ناکام محبت کی نظمیں ملتی ہیں ۔ "One Word More" اور "By the Fireside" ایک جانب محبت کی فتح اور خوشیوں کا خزانہ لٹاتی ہیں تو دوسری جانب "Porphyria Lover" اور "One Way of Love and Love in Life"

ناکام محبت کے مرقع ہیں ، لیکن براؤننگ ایک اچھے فن کار کی حیثیت سے ہر دو میں کامیاب نظر آتا ہے ۔ براؤننگ طبعاً ڈرامائی کیفیت کا دل دادہ تھا ۔ چنانچہ اس نے اپنی کئی عشقیہ نظمیں dramatic monologue کی شکل میں پیش کیں اور ان میں سب سے کامیاب نظم "Andrea Del Sarto" ہے ۔ اس کی عشقیہ شاعری میں رجائیت ہے ۔ اس کے ہاں عشق کی ناکامی ایک عارضی چیز ہے ۔ اگر اس دنیا میں اس کے عاشق کو کامیابی نصیب نہیں ہوتی تو اس کی نظریں دوسری دنیا پر ہوتی ہیں ۔ چنانچہ "Last Ride Together" کا عاشق ناکامی کے بعد اپنے دل کو یوں تسلی دیتا ہے :

What if we still ride on, we two
With life for ever old yet new,
Changed not in kind but in degree
The instand made Eternity
And Heaven just prove that I and she
Ride, ride together for ever ride ?

اقبال کے ہاں بھی عشقیہ شاعری کی بنیاد فلسفۂ محبت پر ہے ۔ ان کے ہاں عقل و عشق کی یکساں اہمیت ہے ۔ اس لیے وہ ان دونوں کے حسین امتزاج پر زور دیتے ہیں چنانچہ ''پیامِ مشرق'' میں فرماتے ہیں :

نبودے عشق و ایں ہنگامۂ عشق اگر دل چوں خرد فرزانہ بودے

اقبال کے نزدیک ''آرزو'' بھی عشقیہ شاعری میں ضروری ہے ۔ اگر آرزو نہ ہو تو تاریک لمحات میں بھلا کون رفیق ہو سکتا ہے :

راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق ساتھ میرے گئی ایک میری آرزو

براؤننگ کی طرح اقبال بھی ''سوختن ناتمام'' پر ایمان رکھتے ہیں ۔ ان کا خیال ہے کہ اگر محبت کسی دل میں جاگزیں ہو تو اس کو ملامت و تنقید کی پروا نہیں ہوتی اور آخرکار اپنی منزل پر پہنچ جاتی ہے :

جز عشق حکایتے نہ دارم پروائے ملامتے نہ دارم
از جلوۂ علم بے نیازم سوزم ، گریم ، تپم ، گدازم

اس طرح اقبال اور براؤننگ ایک دوسرے سے عشقیہ شاعری میں قریب ہیں اور اگر معمولی فرق ہے تو صرف اتنا ہے کہ براؤننگ کے ہاں جسمانی عنصر زیادہ نمایاں ہے اور اقبال جذبۂ محبت کو ذہنی سطح پر لے جاتے ہیں ۔

ایک اور مماثلت جو ان دونوں میں پائی جاتی ہے وہ رجائیت کا عنصر ہے - براؤننگ کے ہم عصر دوسرے شعرا غم کا راگ الاپ رہے تھے ، سائنس اور مذہب کی بدلتی ہوئی قدروں سے نالاں تھے ، لیکن براؤننگ نے ان مایوس کن حالات میں اُمید کی شمع کو روشن رکھا - براؤننگ کو خدا کی ذات پر اعتماد تھا اور اس کی نظر میں قدرت کے جلوے ہر جگہ نمایاں تھے - اس کی مشہور نظم "Pauline" میں Pauline کا عاشق کہتا ہے :

"I saw God and Everywhere I felt Presence"

دوسری نظم "Paracelsus" ملاحظہ فرمائیے ، تو اس میں خدا کا ظہور ہر جان دار اور بے جان چیز میں نظر آتا ہے :

Thus He dwells in all
From Life's minute beginning, at last to Man
God is seen God
In the star, in the stone, in the flesh, in the soul and the cloud.

اقبال بھی خدا کی ذات پر اعتمادِ کُلّی رکھتے ہیں - براؤننگ جیسے خیالات "بانگِ درا" کی ایک نظم میں ہو بہو ملتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُنھوں نے براؤننگ کے اشعار کا ترجمہ کیا ہو :

چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں سورج میں تارے میں
بلندی آسمانوں میں زمینوں میں تیری پستی
روانی بحر میں افتادگی تیرے کنارے میں

براؤننگ کے نزدیک روح لافانی چیز ہے - اپنی نظم "Rabbi Ben Ezra" میں وہ یوں نغمہ سرا ہوتا ہے :

God is the potter and the soul is the clay.

اسی سلسلے میں چند اور اشعار بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں :

Fool! All that is at all
Lasts ever, Past recall;
Earth changes but thy soul and God stand sure
Time's wheel runs back or stops : potter and clay endure.

براؤننگ کو دنیا اور دنیا والوں سے پیار تھا ۔ وہ کوئی مردم بیزار نہ تھا جو دنیا کے مسائل سے راہِ فرار اختیار کرتا ، کیونکہ اس کے خیال میں زندگی کا صحیح مصرف محنتِ شاقہ میں ہے ۔ "Fra Lippo Lippi" میں وہ کس شان سے کہتا ہے :

This world is no blot for us,
Nor blank, it means intensely and means good.

ایک اور چیز جو براؤننگ کے ذہن میں ہر وقت کھٹکتی تھی وہ حصولِ مقصد کا مسئلہ تھا ۔ کیا اس دنیا میں یہ ممکن ہے کہ انسان اپنے مقصد میں کامران ہو اور اپنی منزل حاصل کرے ؟ اس کے خیال میں انسان اس وقت تک جد و جہد سے دامن بچائے گا جب تک شر کی قوتیں اس کی راہ میں حائل نہ ہوں ۔ شر کا وجود انسانی ترقی کے لیے ضروری ہے ۔ "Abt Volger" میں شر کی اہمیت اور برتری کس خوب صورت انداز میں پیش کی گئی ہے :

There shall never be one lost good,
What was will live as before,
The evil is null, is silence implying sound,
What was good shall be good with evil so much good more.

شر کسی صورت میں بھی انسانی ترقی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا ، کیونکہ انسان کی نظر ہمیشہ اُس منزل پر ہونی چاہیے جو اس کی نظر سے اوجھل ہو ۔ یہ فلسفہ "Andrea Del Sarto" میں اس طرح پیش کیا گیا ہے :

A man's reach should exceed his grasp,
Else what is a heaven for ?

اس کا پیغام تھا : Strive, cry, speed, fight on for ever ۔ اس کی خواہش تھی کہ انسان کسی صورت میں بھی اپنا سر مصائب کے سامنے نہ جھکائے ، بلکہ ہر وقت بے جگری سے آگے بڑھتا رہے :

Then welcome each rebuff
That turns earth's smoothness rough,
Each sting that bids nor sit, nor stand but go.
Be our joys three parts pain.
Strive and hold cheap the strain
Learn nor account the pang dare never grudge the throe,

براؤننگ کا خیال تھا کہ خدا کے نزدیک انسان کے جانچنے کا معیار وہ چیزیں نہیں جو اُس نے اس دنیا میں حاصل کی ہوں ، بلکہ انسان کی وہ سعیٔ پیہم ہے جو اُس نے ایک نیک اور اعلیٰ مقصد کے لیے بروئے کار لائی ہو ، چاہے اس میں اس کو کامیابی نصیب ہو یا نہ ہو ۔ "Rabbi Ben Ezra" کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں :

Not on the vulgar mass
Called work must sentence pass.
Things done that took the eye and had the price
But all the world's coarse thumb
And finger failed to plumb
So passed in making up the main account
All instincts
All purposes unsure
That weighed not as his work yet swelled the man's account.

چونکہ وہ طبعاً رجائی تھا اس لیے ناکامی اس کے ہاں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی اور اس کو ہمیشہ یہ امید دامن گیر رہتی تھی کہ انسان کو اُس کی کوششوں کا اجر دوسرے جہان میں نصیب ہوگا ۔ اقبال بھی براؤننگ کی طرح سعیٔ مسلسل کے حامی تھے :

تو نہ شناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل
چیست حیات دوام ؟ سوختنِ ناتمام

یہی خیال اُن کے ایک اُردو شعر میں ملاحظہ فرمائیے :

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے
زندہ ہر اِک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

ان دو اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ اقبال بھی براؤننگ کی طرح چھوٹی کامیابیوں پر مطمئن نہ تھے ، بلکہ ان کا خیال تھا کہ عظیم مقاصد کے حصول میں اگر ناکامی کا سامنا ہو تب بھی انسان کو اپنی کوشش جاری رکھنی چاہیے ۔ اقبال کے ہاں بھی انسان کی ترقی کے لیے شر کا وجود انتہائی ضروری ہے ۔ اپنی ایک نظم میں جبریل و شیطان کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ شیطان کی مداحی کرتے ہیں کیونکہ انھیں شیطان میں مسلسل عمل اور آزاد خیالی کے جواہر نظر آتے ہیں ۔ اُنھیں وہ جنت پسند نہیں جہاں زندگی کے آثار موجود نہ ہوں ، بلکہ وہ اس

دوزخ کو پسند فرماتے ہیں جہاں حرکت ہو اور جہاں زندگی جیتی جاگتی اور جملہ رعنائیوں سے معمور ہو :

مزے اندر جہانِ کور ذوقے کہ یزداں دارد شیطاں ندارد

* * *

اب یہاں میری گزر ممکن نہیں کس قدر خاموش ہے عالم بے کاخ و کو

اقبال کی نظر میں شیطان شر کا نمائندہ ہے اور اگر زندگی میں شر نہ ہو تو انسان کس طرح برسرِ پیکار ہو اور اگر ایک بار انسان کو برائے نام کامیابی حاصل ہو اور وہ سکون سے خاموش تماشائی بن جائے تو وہ زندگی نہیں بلکہ موت ہوگی :

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ سنگِ گراں ہے زندگی

اقبال بھی براؤننگ کی طرح قناعت کو ناپسند فرماتے ہیں ، کیونکہ قناعت ہمیشہ ترقی کی راہ میں حائل ہوتی ہے اور انسان تساہل پسند ہو جاتا ہے :

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

براؤننگ اپنی زبان و بیان کی وجہ سے ہمیشہ نقادانِ ادب کی آرا کا شکار رہا ہے ۔ براؤننگ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی شاعری ایک عام قاری کے لیے بہت ہی مشکل ہے اور ناقابلِ فہم ہے ۔ براؤننگ کا رجحان ''کلاسیک'' کی جانب زیادہ تھا ۔ اُس کو مطالعے کا اس قدر شوق تھا کہ اس نے کلاسیکی ادب کے جملہ شعرا و مصنفین کے دواوین اور نثر کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا تھا ۔ براؤننگ نے ڈن کی طرح اپنی شاعری میں اُن تشبیہات و استعاروں کا استعمال کیا ہے جو ایک عام قاری کی سمجھ سے برتر و بالا ہیں ۔ اس کے علاوہ اپنے عظیم خیالات کو جب وہ اختصار سے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو الفاظ اس کا ساتھ نہیں دیتے ۔ یہی وجہ ہے کہ مزید پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور صحیح اظہار نہیں ہو سکتا ۔ اقبال کے ہاں اس قسم کی پیچیدگیاں نہیں ہیں ۔ ان کا دماغ روشن اور خیالات سیدھے سادے ہیں ۔ اقبال فلسفی تھے ، لیکن اُنھوں نے عام قاری کے لیے وہی کچھ پیش کیا جو اُس کی سمجھ سے باہر نہ ہو ۔ اُنھوں نے تشبیہات و استعاروں کا استعمال کیا ، لیکن یہ وہ الفاظ تھے جس سے ہر آدمی مانوس تھا ، مثلاً ستارہ ، موجِ آب ، پروانہ و جگنو ، لالہ ، مرغ و ماہی ۔ اقبال کی زبان سادہ تھی ۔ ان

کے ہاں الفاظ کی وہ گھن گرج نہیں جو ایک عام قاری کے لیے باعثِ زحمت بنے۔ بعض اوقات اقبال کی فارسی زبان پر تنقید کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ کامیاب فارسی شاعر نہ تھے۔ اقبال کو غالب کی طرح اپنی فارسی زبان پر فخر حاصل تھا اور اُنھوں نے مادری زبان نہ ہوتے ہوئے بھی اس میں خاصی کامیابی حاصل کی جس کا اعتراف ایرانیوں نے بھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال براؤننگ سے زیادہ مقبول ہیں۔ ان کا کلام ہندوستان و پاکستان اور ایران میں دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے اور ہر سال ان کے قارئین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اقبال اور براؤننگ کی زندگی کے آخری چند سال خوش گوار نہ تھے اور انھیں زندگی کا وہ سکون حاصل نہیں تھا جس کے وہ مستحق تھے۔ براؤننگ کو اپنے بیٹے کی شادی کے بعد تنہائی سے فرار کی خاطر وینس جانا پڑا جہاں وہ سخت نزلہ کا شکار ہوا اور آخرکار اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکا اور ۱۲ دسمبر ۱۸۸۹ کو انتقال کر گیا۔ براؤننگ کی خواہش تھی کہ اسے اس کی بیوی کے پہلو میں دفن کیا جائے، لیکن برطانوی حکومت نے اس کی خواہش کے برخلاف اُسے Poets' Corner میں جگہ دی، کیونکہ وہ براؤننگ کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہتی تھی اور Westminster Abbey ہی وہ واحد جگہ تھی جہاں تمام نامور ادیب و شاعر مدفون ہیں۔ اقبال کی زندگی کے آخری دو سال نہایت پریشان کُن تھے۔ ان کے معاشی حالات نامساعد ہو گئے تھے اور اگر ریاست بھوپال کے فرمانروا کی اعانت نہ ہوتی تو اور بھی حالات خراب ہو جاتے۔ بہرحال سفرِ افغانستان سے واپسی پر یعنی ۱۹۳۸ میں اقبال کو سخت نزلہ و زکام ہوا اور بتدریج وہ bronchitis کا شکار ہو گئے۔ زندگی کے آخری لمحات میں ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد نے اقبال کو تسلی دینے کی کوشش کی لیکن اقبال کو اپنی موت کا یقین ہو چکا تھا۔ چنانچہ انھوں نے مرنے سے چند لمحے پیشتر اپنا ایک فارسی شعر پڑھا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

قوم نے ان کی خدمات کا اعتراف کیا اور انھیں بادشاہی مسجد لاہور کے پہلو میں دفن کیا گیا جہاں ان کے مزار پر ہر روز ہزاروں افراد اپنے محسن کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

متذکرہ بالا تقابلی مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان دو شعرا میں کئی اعتبار سے خاصی مماثلت پائی جاتی ہے، یعنی ہر دو حضرات اپنے ہم عصر

شعرا سے مختلف مزاج رکھتے تھے ۔ ان دونوں کی شاعری میں فلسفیانہ رنگ موجود ہے ۔ جہاں تک خدا کی ذات پر عقیدے کا تعلق ہے ان دونوں کا خیال تھا کہ خدا ہی ہر چیز پر قادر ہے اور دنیا کی ہر چیز اس کی تابع ہے اور اس کا کوئی ہم سر نہیں ۔ ہر دو حضرات مایوسی کو کفر اور گناہ سمجھتے تھے اور ان کے خیال میں ''سوختنِ ناتمام'' ہی انسان کو صحیح منزل پر گامزن کر سکتی ہے ۔ اقبال اور براؤننگ جذبۂ محبت کے پجاری تھے ۔ ان کے نزدیک محبت ہی وہ واحد فعالی طاقت ہے جو انسان کو خدا سے قریب تر کرتی ہے ۔ اس زمانے میں جب کہ انسان ذہنی اُلجھنوں کا شکار ہے اور معاشی عدم مساوات ، مذہب سے بیزاری ، دل و دماغ میں عدم مطابقت ، ماحول سے بےگانگی ، سکون کے فقدان نے اس کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے ۔ اقبال اور براؤننگ کے اشعار ہی اس کو اس تاریک اور مایوس کن ماحول میں خوشی و انبساط اور امید و رجا کا پیغام دیتے ہیں اور خاص طور پر براؤننگ کے اُس شعر کو بھلا کون فراموش کر سکتا ہے جس میں اس نے خدا ، اس کی ذات اور اس کے کارخانۂ ہستی کو ہر برائی سے مبرا قرار دیا ہے :

God is in His Heaven,
All is right with the world.

All rights reserved. ©2002-2006